فقہ اسلامی کے بنیادی مآخذ کا تحقیقی جائزہ

(۲/۲)

از: مولانا محمد انس حسان
گورنمنٹ ڈگری کالج جہانیاں، پاکستان

اجماع

(فقہ اسلامی کا تیسرا ماخذ)

فقہ اسلامی کا تیسرا ماخذ اجماع ہے۔ اجماع کا لغوی معنی ہے کسی بات پر متفق ہوجانا؛ چنانچہ قرآنِ کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ شُرَكَاءَ كُمْ﴾ (۱۷)

''تم اپنی بات طے کرلو اور اپنے شریکوں کو اکٹھا کرلو۔''

فقہاء کی اصطلاح میں اجماع کسی معاملہ پر امت اسلامیہ کے اہل علم طبقہ کے اتفاق کرنے کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ اصول کی کتابوں میں ہے:

وَهُو اِتِّفَاقُ أَهْلِ الْحِلِّ وَالْعَقْدِ مِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ عَلٰى أَمْرٍ مِنَ الْأُمُوْرِ. (۱۸)

''حضرت محمد ﷺ کی امت کے اہلِ حل وعقد کے کسی معاملہ میں اتفاق کا نام اجماع ہے۔''

جمہور علماء نے اجماع کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

''اِتِّفَاقُ الْمُجْتَهِدِيْنَ مِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ وَفَاتِهٖ فِيْ عَصْرٍ مِنَ الْعُصُوْرِ عَلٰى حُكْمٍ شَرْعِيٍ. (۱۹)

''رسول کریم ﷺ کی وفات کے بعد کسی بھی زمانہ میں رسول اللہ ﷺ کی امت کے مجتہدین کا کسی شرعی حکم پر اتفاقِ رائے کرلینے کو اجماع کہتے ہیں۔''

علامہ علی بن محمد الآمدی (متوفی ۶۳۱ھ) فرماتے ہیں:

اِتَّفَقَ أَكْثَرُ الْمُسْلِمِيْنَ عَلٰى أَنَّ الْإِجْمَاعَ حُجَّةٌ شَرْعِيَّةٌ يَجِبُ الْعَمَلُ بِهٖ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ خِلَافًا لِلشِّيْعَةِ وَالْخَوَارِجِ وَالنِّظَامِ مِنَ الْمُعْتَزِلَةِ. (۲۰)

''اکثر مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ اجماع حجت شرعیہ ہے اور تمام مسلمانوں کا اس پر عمل کرنا واجب ہے۔ ماسوائے شیعہ، خوارج اور معتزلہ میں سے نظام کے کہ وہ اس کو نہیں مانتے۔''

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اجماع کو حجتِ شرعیہ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''حجتِ شرعیہ صرف اللہ کی کتاب، سنتِ رسول اللہ ﷺ اور ائمہ کا اجماع ہے۔ علم کے تین درجات ہیں کتاب، حدیث نبوی ﷺ اور اس مسئلہ میں ائمہ کا اجماع جس کے بارے میں کوئی نصِ شرعی موجود نہیں ہے۔'' (۲۱)

ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ (۱۹۵۰ء۔۲۰۱۰ء) نے اجماع کی جامع تعریف بیان کی ہے؛ چنانچہ فرماتے ہیں:

''اجماع سے مراد یہ ہے کہ کسی نئے پیش آنے والے فقہی اور شرعی نوعیت کے معاملے پر امت کے فقہاء اور مجتہدین تفصیل کے ساتھ آزادانہ یعنی کسی حکومتی، سرکاری یا بیرونی اثر و رسوخ کے بغیر محض دلائل کی روشنی میں غور وفکر کریں اور قرآن وسنت کے دلائل کی روشنی میں اس کا حل تلاش کریں۔ پھر ان کے آپس کے تبادلۂ خیال سے جب وہ متفقہ طور پر کسی ایک نتیجہ پر پہنچ جائیں تو وہ متفقہ نتیجہ اور فیصلہ اجماع کہلائے گا۔'' (۲۲)

نبی کریم ﷺ کے زمانۂ حیات میں اجماع کا ثبوت نہیں ملتا؛ کیونکہ نبی کریم ﷺ کی ذاتِ مبارکہ لوگوں میں موجود تھی اور کسی بھی مسئلہ میں آپ ﷺ سے ہی رجوع کیا جاتا تھا۔ جیسا کہ ڈاکٹر حمید اللہ (۱۹۰۸ء۔۲۰۰۲ء) لکھتے ہیں:

''عہد نبوی میں اس کی ضرورت ہی نہیں تھی؛ اس لیے کہ اگر کوئی سوال پیدا ہوتا تو لوگ فوراً رسول اللہ ﷺ سے رجوع کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ فیصلہ فرمادیتے جو قطعی اور آخری ہوتا تھا۔ آپس میں مشورہ کرکے کسی پر متفق ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔'' (۲۳)

لیکن نبی کریم ﷺ کی ذاتِ بابرکت سے محروم ہوجانے کے بعد عہدِ صحابہ میں اجماع کی بنیاد پڑی۔ جس طرح تمام فقہاء کے نزدیک اجماع شریعت میں حجت ہے اور شریعت کا بنیادی ماخذ ہے، اسی طرح صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اجماع پر بھی سب کا اتفاق ہے اور تمام اس پر عمل کو لازم قرار دیتے ہیں اور اگر صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال متعدد ہوں تو جس قول کو پسند کرتے اختیار کرلیتے ہیں؛ لیکن تابعین اور تبع تابعین کے اقوال میں اس اصول کے پابند نہیں تھے۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے سب سے پہلے اس ضرورت کو محسوس کیا؛ چنانچہ اس مقصد کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں کبار صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو باہر جانے سے روک دیا گیا تھا؛ تاکہ پیش آمدہ مسائل کے حل کے لیے ان سے فائدہ اٹھایا جاسکے اور جس پر یہ تمام متفق ہوجائیں اسے اجماعِ امت سمجھا جائے۔

چنانچہ عہدِ صحابہ میں اجماع کی بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہے:

(۱) مثال کے طور پر صحابہ کرامؓ نے فیصلہ کیا کہ اگر کوئی شخص زکوٰۃ کا منکر ہے تو اس کو اسی طرح سمجھا جائے گا، جیسے کوئی شخص نماز کا منکر ہو اور جو نماز کا منکر ہے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ لہٰذا زکوٰۃ کے منکر کو بھی دائرہ اسلام سے خارج سمجھا جائے گا۔ صحابۂ کرامؓ نے سیدنا صدیق اکبرؓ کی سربراہی میں ان لوگوں کے خلاف جہاد کیا جنھوں نے زکوٰۃ کا انکار کیا تھا۔ شروع میں بعض صحابہ کو یہ سمجھنے میں تامل ہوا کہ نماز اور زکوٰۃ کو ایک سطح پر کیسے رکھا جائے اور کسی ایک جزوی حکم کو نہ ماننے کو پوری شریعت کے انکار کے برابر کیسے مانا جائے؛ لیکن سیدنا صدیق اکبرؓ نے قسم کھا کر فرمایا کہ قسم خدا کی میں نماز اور زکوٰۃ کے درمیان کوئی فرق نہیں کروں گا اور جس نے یہ فرق کیا میں اس کے ساتھ جنگ کروں گا، یہاں تک کہ میری جان چلی جائے۔ (۲۴)

(۲) اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شام اور عراق کی مفتوحہ زمینوں کو فوج میں تقسیم کرنے کی بجائے وقف قرار دیا اور اس پر صحابہ کا اجماع ہوگیا (۲۵) اور اس کی سند یہ تھی کہ زمین ان کے اصل باشندوں کے پاس رکھی جائیں اور ان پر خراج عائد کردیا جائے؛ تاکہ مسلمانوں کو آمدنی ہو اور بیت المال مضبوط ہو جس کے نتیجے میں فوجیوں، سرکاری ملازمین، ضرورتمندوں کے اخراجات کا بندوبست ہوسکے اور دیگر رفاہی کام بھی انجام دیے جاسکیں۔

(۳) واقعہ یمامہ میں قرّاء کی بڑی تعداد کی شہادت کے بعد اس اندیشہ کے پیشِ نظر کہ اگر قراء یونہی شہید ہوتے رہے تو کہیں قرآن ضائع نہ ہوجائے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قرآن کو مصحف کی صورت میں جمع کرنے پر اصرار کیا اور تمام صحابۂ کرامؓ نے اس رائے سے اتفاق کیا اور اس طرح صحابۂ کرامؓ کے اس اجماع کی صورت میں قرآنِ کریم کی تدوین عمل میں آئی۔ (۲۶)

(۴) تیسری مرتبہ چوری کرنے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول پر تمام صحابۂ کرامؓ کا اجماع ہوا۔ (۲۷)

(۵) حضرت عمرؓ نے ۲۰ رتراویح کے حوالے سے کبار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اجماع اور باقاعدہ ان کی مشاورت سے اس کا حکم جاری فرمایا۔(۲۸) یہ بھی صحابۂ کرامؓ کے اجماع کی ایک واضح مثال ہے۔

اجماع کا دین میں حجت ہونا تین امور پر مبنی ہے۔ گویا اجماع کی اساس ان تین امور پر قائم ہے۔

(۱) اجماع کی اساسِ اول یہ ہے کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پیش آمدہ مسائل میں اجتہاد کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عام سیاسی امور میں صحابۂ کرامؓ کو جمع کر کے ان سے مشورہ طلب کرتے تھے۔ جب تمام لوگ ایک بات پر متفق ہوجاتے تو اس کو قانون کا حصہ بناتے اور اگر اختلاف رونما ہوتا تو اکثریت کا ساتھ دیتے۔

(۲) اجماع کی دوسری اساس یہ ہے کہ دور اجتہاد میں ہر امام کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ ان سے کوئی ایسا شاذ قول صادر نہ ہو جو ان کے یہاں فقہاء کے خلاف ہو؛ تاکہ اس کے طرزِ فکر کو اجنبی نہ سمجھا جائے؛ چنانچہ تمام ائمہ اپنے علاقہ کے اجماع کی بڑی سختی سے پابندی کرتے تھے۔

(۳) اجماع کی تیسری بنیاد وہ دلائل ہیں جن سے حجیت اجماع ثابت ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر نبی کریم ﷺ کا یہ قول: "إِنَّ أُمَّتِي لَا تَجْتَمِعُ عَلَى الضَّلَالَةِ" (۲۹) یعنی میری امت گمراہی پر جمع نہ ہوگی۔

اسی طرح ایک اثر میں آتا ہے: "مَا رَاٰهُ الْمُسْلِمُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ"(۳۰) ''جس بات کو مسلمان بہتر سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بہتر ہے۔''

اجماع کی حجیت کے حوالہ سے فقہاء نے اس کی درجہ بندی کی ہے کہ کونسا اجماع کس نوعیت کا ہوگا؛ چنانچہ اسے تین درجوں میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) سب سے اعلیٰ درجہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اجماع کا ہے۔ جو حدیثِ متواتر اور دلیل قطعی کا درجہ رکھتا ہے۔

(۲) دوسرے نمبر پر تابعین کا اجماع ہے جو کسی غیر اجتہادی مسئلہ میں منعقد ہو۔ یہ حدیث مشہور کا درجہ رکھتا ہے۔

(۳) تیسرے درجہ کا اجماع وہ ہے جو کسی اجتہادی مسئلہ میں منعقد ہوا ہو یہ خبرِ واحد کی طرح ظنی ہے۔

اجماع کے اختیارات کی وسعت اور باقاعدہ اجماع منعقد ہوجانے کے بعد معاشرتی حالات وواقعات کے مطابق اس میں ترمیم وتنسیخ کے حوالے سے مولانا محمد تقی امینی رحمۃ اللہ علیہ درج ذیل نکات بیان فرماتے ہیں:

(۱) حالات اور تقاضوں کی مناسبت سے نئے قوانین وضع کرنا۔

(۲) پرانے اجماعی فیصلے جو مصلحت کے تابع تھے، ان میں موجودہ حالات ومصلحت کے پیشِ نظر مناسب ترمیم کرنا۔

(۳) وہ احکام جو بتدریج نازل ہوئے ہیں، معاشرتی حالات کے لحاظ سے انھیں مقدم و مؤخر کرنا۔

(۴) وہ احکام جن میں عرب کے مقامی حالات، رسم ورواج، خصائل وعادات مخلوط ہیں، ان کی روح اور پالیسی برقرار رکھتے ہوئے جدید حالات کے پیشِ نظر ان کے لیے نئے قالب تیار کرنا۔

(۵) وہ احکام جو وقتی تقاضہ اور مصلحت کے تحت ہیں، موجودہ تقاضے اور مصلحت کے تحت ان میں مناسب ترمیم کرنا۔

(۶) رسول اللہ ﷺ کے اصحاب جن احکام میں مختلف الرائے ہیں، معقول دلیل کی بناء پر ان میں سے کسی ایک کو ترجیح دینا۔

(۷) فقہاء کی مختلف رایوں میں معاملات وتقاضوں کی مناسبت سے ترجیحی صورت پیدا کرنا وغیرہ۔(۳۱)

جہاں تک اجماع کے شرعی حکم کا تعلق ہے تو یہ واضح ہے کہ اس کا فیصلہ نہایت مستند اور واجب العمل ہے، جیسا کہ صاحبِ توضیح کا یہ قول ہے کہ:

فَإِن اسْتَنْبَطَ الْمُجْتَهِدُوْنَ فِیْ عَصْرٍ حُكْمًا وَاتَّفَقُوْا عَلَيْهِ يَجِبُ عَلٰى أَهْلِ ذٰلِكَ الْعَصْرِ قُبُوْلُهٗ فَاتِّفَاقُهُمْ صَارَ بَيِّنَةً عَلٰى ذٰلِكَ الْحُكْمِ فَلَا يَجُوْزُ بَعْدَ ذٰلِكَ مُخَالَفَتُهُمْ.(۳۲)

''جب مجتہدین نے کسی زمانہ میں کسی حکم کا استنباط اور اس پر اتفاق کیا تو اس زمانہ والوں پر اس کا قبول کرنا واجب ہے، اس کی مخالفت جائز نہیں؛ کیونکہ یہ اتفاق اس حکم پر بطور دلیل کے ہے۔''

عصرِ حاضر میں اجماع کی واضح مثال مسئلۂ ختم نبوت ہے۔ جس پر تمام علماء وفقہاء کا اجماع ہوچکا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارے علماء وفقہاء دورِ حاضر میں اسلام کو درپیش چیلنجز پر بھی اس اصول کا اطلاق کرتے ہوئے امت کی درست سَمت پر رہنمائی کریں۔

قیاس

(فقہ اسلامی کا چوتھا ماخذ)

فقہ اسلامی کا چوتھا ماخذ قیاس ہے۔ قیاس کے لغوی معنی اندازہ کرنا، پیمائش کرنا، مطابق اور مساوی کرنا ہیں، چنانچہ "قَاسَ الثَّوْبَ بِالذِّرَاعِ" کے معنی "قَدَّرَ أَجْزَاءَهُ بِهِ" (کپڑے کی ذراع سے پیمائش کی) اسی طرح "يُقَاسُ فُلَانٌ بِفُلَانٍ فِي الْعِلْمِ وَالنَّسَبِ" کے معنی "يُسَاوِيْهِ فِي الْعِلْمِ وَالنَّسَبِ" (علم اور نسب میں وہ اس کے برابر ہے)۔(۳۳)

قیاس کا لفظ دو چیزوں میں مساوات و برابری نیز دو چیزوں کے مابین موازنے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔(۳۴)

اصطلاحِ فقہ میں قیاس کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

إِلْحَاقُ أَمْرٍ غَيْرِ مَنْصُوْصٍ عَلَى حُكْمِهِ الشَّرْعِيِّ بِأَمْرٍ مَنْصُوْصٍ عَلَى حُكْمِهِ لِاشْتِرَاكِهِمَا فِيْ عِلَّةِ الْحُكْمِ. (۳۵)

''حکم کی علت میں اشتراک کے سبب اس معاملہ کو جس کے شرعی حکم کے بارے میں نص وارد نہیں ہوئی، ایسے معاملہ کے ساتھ ملحق کرنا جس کے حکم کی بابت نص وارد ہوئی ہے (فقہ کہلاتی ہے)''۔

محمد بن صالح العثیمینؒ کے مطابق:

تَسْوِيَةُ فَرْعٍ بِأَصْلٍ فِيْ حُكْمٍ لِعَلَّةٍ جَامِعَةٍ بَيْنَهُمَا (۳۶)

''فرع اور اصل میں حکم کی علت کی بنیاد پر برابری کرنا جو ان دونوں میں یکساں ہیں''۔

مولانا محمد تقی امینی فرماتے ہیں کہ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے قیاس کی اصطلاحی تعریف یوں بیان کی ہے:

فَالْقِيَاسُ الصَّحِيْحُ مِثْلُ أَنْ تَكُوْنَ الْعِلَّةُ الَّتِيْ عُلِّقَ بِهَا الْحُكْمُ فِي الْأَصْلِ مَوْجُوْدَةً فِي الْفَرْعِ مِنْ غَيْرِ مُعَارِضٍ فِي الْفَرْعِ يَمْنَعُ حُكْمَهَا. (۳۷)

''قیاسِ صحیح مثلاً یہ ہے کہ جس علت پر اصل میں حکم کا مدار ہے وہی علت فرع میں موجود ہو اور فرع میں کوئی رکاوٹ ایسی نہ ہو جو اس میں حکم جاری ہونے کو روک سکے''۔

ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ نے قیاس کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

''شریعت اور فقہاء کی اصطلاح میں قیاس سے مراد یہ ہے کہ اصل حکم میں پائے جانے والی

علت کو دوسرے نئے حکم پر منطبق کرنا (قیاس کہلاتا ہے)۔(۳۸)

جمہور علماء وفقہاء اسے حجتِ شرعی تسلیم کرتے ہیں؛ بلکہ ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ تو اسے فقہی ترتیب میں تیسرے درجے پر رکھتے ہیں۔ان کے مطابق چونکہ اس کی اجازت نبی کریم ﷺ نے خود دی تھی؛ اس لیے اس کا درجہ اجماع سے زیادہ ہونا چاہیے۔(۳۹)

محمد بن صالح العثیمنؒ کے مطابق قیاس تمام علماء کے نزدیک دلیلِ شرعی ہے۔وہ لکھتے ہیں:

وَأَمَّا جُمْهُوْرُ الْأُمَّةِ فَقَالُوْا: إِنَّ الْقِيَاسَ دَلِيْلٌ شَرْعِيٌّ ثَابِتٌ فِي الْكِتَابِ وَفِي السُّنَّةِ وَ فِيْ أَقْوَالِ الصَّحَابَةِ.(۴۰)

''جمہور امت کے بقول قیاس دلیلِ شرعی ہے، جو قرآنِ کریم، سنتِ رسول ﷺ اور صحابۂ کرامؓ کے اقوال سے ثابت ہے۔''

قیاس فقہ اسلامی کا انتہائی اہم ماخذ ہے۔زمانہ چونکہ تغیر پذیر ہے اور ہر آنے والا دن نئے مسائل اور نئے چیلنجز کے ساتھ رونما ہو رہا ہے تو اس صورت میں فقہ اسلامی کا دیگر تمام مذاہب میں یہ خصوصی امتیاز ہے کہ وہ ان جدید مسائل کے حوالے سے واضح رہنمائی کرتی نظر آتی ہے۔

اسلامی شریعت نے ایک ایسا خود کار نظام وضع کر دیا کہ جس میں قانون اور نظام کے اساسی قواعد واصول نیز دستور اور آئین کے اساسی تصورات سب کے لیے مشترک اور واجب التعمیل ہیں۔ تمام انسان یکساں طور پر ان اصولوں کے پابند ہیں۔اس جامعیت اور تنوع کی وجہ اس کی دقّتِ نظری اور آزادی رائے ہے جو ہر دور میں اس کی ترقی کے لیے مدد ومعاون ثابت ہوتی آئی ہے۔

اگر ایک دور میں کسی مسئلہ پر قیاس سے کام لیتے ہوئے کوئی نتیجہ اخذ کیا گیا تھا اور آنے والے وقت نے اس کی کسی شق پر کوئی سُقم پایا تو اس دور کے فقہاء کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ اپنے قیاس سے کام لیتے ہوئے اس مسئلہ کا کوئی اور حل تجویز کریں جو قرآن وسنت سے زیادہ قریب ہو۔ اس کی بکثرت مثالیں ہمیں فقہ اسلامی کی کتب میں ملتی ہیں۔اس آزادی رائے نے فقہ اسلامی کی اہمیت میں بہت اضافہ کر دیا ہے۔اور یہ سب قیاس سے استفادہ کی صورت ہی میں ممکن ہوسکا ہے۔قیاس کی اسی اہمیت وافادیت کے حوالے سے قرآنِ کریم، سنت نبوی ﷺ اور صحابۂ کرامؓ کے عمل سے بہت کچھ رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔

قرآنِ کریم میں قیاس کی بنیاد کے حوالے سے درج ذیل آیاتِ مبارکہ سے رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱) ﴿لِيَتَفَقَّهُوا فِى الدِّينِ﴾(۴۱)

''تاکہ دین میں فہم وبصیرت حاصل کرتے۔''

(۲) ﴿فَاعْتَبِرُوا يَأُولِى الأَبْصَارِ﴾(۴۲)

''پس اے دیکھنے والو! عبرت حاصل کرو۔''

یہاں ''اِعْتَبِرَ'' کا مطلب ہے ''رَدَّ الشَّیْءَ إِلٰی نَظِیْرِہٖ'' کسی چیز کو اس کے مثل کی طرف لوٹانا۔

(۳) ﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾(۴۳)

''اور وہ ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیں۔''

(۴) ﴿وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾(۴۴)

''ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن اتارا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے سامنے اس چیز کو بیان کردیں جو ان کی طرف بھیجی گئی ہے؛ تاکہ وہ خود غور وفکر کریں۔''

(۵) ﴿وَلَوْ رَدُّوْهُ إِلَى الرَّسُوْلِ وَإِلٰى أُوْلِى الأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ﴾(۴۵)

''اگر اس کو اللہ کے رسول اور اہل علم تک پہنچا دیتے تو ان میں سے جو استنباط کرنے والے ہیں وہ سمجھ جاتے۔''

یہ اور اسی طرح کی دیگر بہت سی آیات ہیں جن میں قیاس اور فکر وشعور کی بنیاد پر سوچنے سمجھنے کی دعوت دی گئی ہے۔

(۱) قیاس کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے بھی ملتی ہے؛ چنانچہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیج رہے تھے تو پوچھا:

كَيْفَ تَقْضِيْ؟ فَقَالَ أَقْضِيْ بِمَا فِىْ كِتَابِ اللّٰهِ قَالَ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِىْ كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى قَالَ فَبِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِىْ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اَجْتَهِدُ رَأْيِىْ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم.(۴۶)

''جب کوئی مقدمہ تمہارے سامنے پیش ہوگا تو کیسے فیصلہ کروگے؟ جواب دیا جیسا کتاب اللہ میں ہے اس کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ پھر سوال کیا کہ اگر کتاب اللہ میں صراحت کے ساتھ ذکر نہ ہو تو پھر کیسے فیصلہ کروگے؟ جواب دیا پھر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ پھر

سوال کیا کہ اگر سنت میں بھی صراحت کے ساتھ ذکر نہ ہو تو پھر کیسے فیصلہ کروگے؟ جواب دیا ایسی حالت میں اپنی رائے سے اجتہاد کر کے فیصلہ کروں گا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ خوش ہوئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے فرستادہ رسول کے فرستادہ کو اس بات کی توفیق دی جو اس کے رسول کو پسند ہے۔''

(۲) ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ دونوں کو یمن کے الگ الگ علاقوں کا قاضی و گورنر بنا کر بھیجا گیا تھا اور آپ ﷺ کے استفسار پر دونوں نے جواب دیا تھا کہ:

اِذَا لَمْ نَجِدِ الْحُكْمَ فِي السُّنَّةِ نَقِيْسُ الْأَمْرَ بِالْأَمْرِ فَمَا أَقْرَبَ إِلَى الْحَقِّ عَمِلْنَا بِهٖ فَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ اَصَبْتُمَا. (۴۷)

''جب ہم سنت میں حکم نہیں پائیں گے تو ایک معاملہ کو دوسرے معاملہ پر قیاس کریں گے اور جو فیصلہ حق سے زیادہ قریب ہوگا، اسی پر عمل کریں گے۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم دونوں کی رائے درست ہے۔''

(۳) اسی طرح بلی کے جھوٹے کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ یہ حرام نہیں ہے اور اس کی علت یہ بیان فرمائی کہ لوگوں کے گھروں میں کثرت سے آتی جاتی ہے۔ (۴۸)

(۴) نبی کریم ﷺ نے ابتداء میں قربانی کے گوشت کو ذخیرہ کرنے سے منع فرمایا تھا؛ لیکن بعد میں اس کی اجازت دے دی۔ (۴۹)

(۵) حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی کے رشتے کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا وہ میری رضاعی بھتیجی ہے اور میرے لیے درست نہیں۔ (۵۰) چنانچہ آپ ﷺ نے انھیں سگی بھتیجی پر قیاس کیا یعنی حرمت کی علت بھی بتادی۔

(۶) قبیلۂ خشعم کی ایک عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئی اور کہا میرے والد نے اسلام قبول کرلیا ہے اور وہ بہت زیادہ بوڑھے ہیں۔ سواری پر بیٹھ نہیں سکتے اور حج ان پر فرض ہوگیا ہے، تو کیا میں ان کی طرف سے حج ادا کرسکتی ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے اگر تمہارے والد پر قرض ہوتا تو وہ تم ادا کرتی یا نہیں؟ اس نے کہا: جی ہاں، ادا کرتی، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا پھر ان کی طرف سے حج ادا کرو۔ (۵۱) گویا بندے کے قرض پر اللہ کے قرض کو قیاس فرمایا۔

(۷) ایک بدوی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میری بیوی کے ہاں ایک

کالے رنگ کا لڑکا پیدا ہوا ہے؛ لیکن مجھے اس میں شک ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کیا تمہارے پاس اونٹ ہیں؟ اس نے کہا: ہاں۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ان کے رنگ کیسے ہیں؟ اس نے کہا سرخ۔ آپ ﷺ نے پھر پوچھا کہ ان میں گندمی رنگ کے بھی ہیں؟ اس نے کہا: ہاں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: یہ کہاں سے آگئے؟ اس نے جواب دیا کہ کوئی رگ ہوتی ہے، اس کا اثر آ گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس بچے کے ساتھ بھی یہی صورت ہوسکتی ہے۔ (۵۲) گویا نبی کریم ﷺ نے حیوانی وجود پر انسانی وجود کو قیاس کیا۔

نبی کریم ﷺ نے قیاس صحیح کی اجازت دی تھی اور اس پر اجر کا اعلان فرمایا تھا؛ چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے:

إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ. (۵۳)

''حاکم جب اجتہاد سے صحیح فیصلہ کرتا ہے تو اس کو دوہرا اجر ملتا ہے اور اگر غلط فیصلہ کرتا ہے تو ایک اجر ملتا ہے۔''

ایک اور جگہ یہ روایت الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ یوں وارد ہوئی ہے:

إِذَا قَضَى الْقَاضِيُ فَاجْتَهَدَ فَأَصَابَ فَلَهُ عَشَرَةُ أُجُورٍ وَإِذَا اجْتَهَدَ فَأَخْطَأَ كَانَ لَهُ أَجْرٌ أَوْ أَجْرَانِ. (۵۴)

''قاضی جب اجتہاد سے صحیح فیصلہ کرتا ہے تو اس کو دس گنا اجر ملتا ہے اور اگر غلط فیصلہ کرتا ہے تو اس کے لیے دو اجر ہیں۔''

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی قیاس سے بھرپور فائدہ اٹھایا؛ چنانچہ نئے پیش آنے والے واقعات میں اجتہاد کرتے ہوئے ایک حکم کو دوسرے پر قیاس کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے قاضی شریح کو خط لکھا تھا کہ جو واقعہ تمہیں پیش آئے اور اس کا حکم قرآن وسنت میں نہ ہو تو اس پر خوب سوچو اور اس کو پوری طرح سمجھنے کی کوشش کرو۔ پھر ایک معاملہ کو دوسرے معاملہ پر قیاس کرو۔ معاملات کو مختلف انداز سے پہچانو۔ پھر جو تمہاری رائے میں اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسندیدہ ہو اور حق کے قریب ہو تو اس کا اعتبار کرو۔ (۵۵)

حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ''کلالہ'' (جس کے نہ والدین ہوں نہ اولاد) کی وراثت کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا:

أَقُوْلُ فِيْهَا بِرَأْيِيْ فَإِنْ يَكُنْ صَوَابًا فَمِنَ اللّٰهِ وَإِنْ يَّكُنْ خَطَأً فَمِنِّيْ وَمِنَ الشَّيْطَانِ. (۵۶)

''میں اپنی رائے سے بات کہتا ہوں اگر وہ صحیح ہے تو اللہ کی طرف سے اور اگر غلط ہے تو میری اور شیطان کی طرف سے سمجھو۔''

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عورت کے طلاق لینے کے اختیار کے متعلق فرمایا:

اَجْتَهِدُ فِيْهَا بِرَأْيِيْ إِنْ اَصَبْتُ فَمِنَ اللّٰهِ وَإِنْ أَخْطَأْتُ فَمِنِّيْ وَمِنَ الشَّيْطَانِ... الخ (۵۷)

''میں اپنی رائے سے فتویٰ دیتا ہوں؛ اگر صحیح ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہے تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے، اللہ اور اس کا رسول اس سے بری ہیں۔''

قیاس میں صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بعض اوقات کسی ایک مسئلہ پر اختلاف بھی رہا ہے؛ چنانچہ اس حوالہ سے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جو قیاس کیا اس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

(۱) دادا کی موجودگی میں حضرت ابوبکر صدیقؓ بھائیوں کو وراثت نہیں دلواتے تھے؛ لیکن حضرت عمرؓ نے دادا کی موجودگی میں بھی بھائیوں کو وراثت دلوائی۔ حضرت ابوبکرؓ نے دادا کو باپ تسلیم کیا ہے اور باپ کی موجودگی میں بہ نصِ قرآن بھائیوں کو وراثت نہیں ملتی۔ حضرت عمرؓ نے اس کو باپ تسلیم نہیں کیا اور حضرت زید بن ثابتؓ بھی ان کے ساتھ متفق الرائے ہیں۔ (۵۸)

(۲) جس حاملہ عورت کا شوہر مرجائے اس کی عدت حضرت عمر بن خطابؓ نے وضع حمل مقرر کی ہے؛ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ وضعِ حمل اور چار مہینے دس دن کی مدت میں جو زمانہ زیادہ طویل ہوگا وہی اس کی عدت کا زمانہ ہوگا۔ (۵۹)

(۳) ایک مطلقہ عورت جس نے اپنی عدت ہی میں نکاح کرلیا تھا حضرت عمرؓ نے اس کے موجودہ شوہر کو چند کوڑوں کی سزا دے کر دونوں میں علیحدگی کرادی اور فرمایا کہ جو عورت عدت گزرنے سے پہلے نکاح کرلے اور اسی حالت میں اس سے مقاربت کرلی جائے تو اس شوہر پر وہ ہمیشہ کے لیے حرام ہوجاتی ہے؛ لیکن حضرت علیؓ کے نزدیک پہلے شوہر کی عدت گزرنے کے بعد یہ شخص اس سے نکاح کرسکتا ہے۔ حضرت عمرؓ کا یہ فیصلہ مصلحتِ عامہ کی بناء پر تھا؛ جب کہ حضرت علیؓ کا فیصلہ اصولِ عامہ کی بناء پر تھا، حالات کے لحاظ سے روحِ شریعت میں دونوں کی گنجائش ہے۔ (۶۰)

❁ ❁ ❁

حوالہ جات

(۱۷) یونس، آیت ۱۷۔ (۱۸) البیضاوی، ناصرالدین ابوالخیر عبداللہ بن عمر بن محمد، منہاج الاصول الی علم الاصول، ص ۲۴۔
(۱۹) ابن امیر الحاج، التقریر والتحبیر، ج ۳، ص ۸۰۔ (۲۰) الآمدی، علی بن محمد، الاحکام فی اصول الاحکام، ص ۲۶۶۔
(۲۱) الجوزیہ، ابن قیم محمد بن ابی بکر، اعلام الموقعین، ج ۱، ص ۳۰۔ (۲۲) غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، محاضراتِ فقہ، ص ۹۲۔
(۲۳) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، خطباتِ بہاولپور، ص ۷۵۔
(۲۴) سعید الرحمٰن، ڈاکٹر، استحسان (بحیثیت ماخذ قانون) مقالہ پی ایچ ڈی، ص ۱۹۹۔
(۲۵) وہبۃ الزحیلی، ڈاکٹر، الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ۵، ص ۵۳۵۔
(۲۶) القرطبی، ابوعبداللہ محمد بن احمد، الجامع لاحکام القرآن، ج ۱، ص ۵۰۔
(۲۷) وہبۃ الزحیلی، ڈاکٹر، الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ۶، ص ۹۷۔ (۲۸) ایضاً، ج ۲، ص ۴۴۔
(۲۹) ابن ماجہ، محمد بن یزید ابوعبداللہ قزوینی، السنن لابن ماجہ، ج ۳، ۱۳۰۳۔
(۳۰) مالک بن انس، الموطاء، ج ۳، ص ۸۰۔ (۳۱) امینی، محمد تقی، فقہ اسلامی کا تاریخی پسِ منظر، ص ۱۲۱۔۱۲۰۔
(۳۲) تاج الشریعہ، عبیداللہ بن مسعود، التوضیح والتلویح مع الحاشیۃ التوشیح، ص ۳۴۔
(۳۳) امینی، محمد تقی، اجتہاد، ص ۱۴۱۔۱۴۰
(۳۴) سعید الرحمٰن، ڈاکٹر، استحسان (بحیثیت ماخذ قانون) مقالہ پی۔ایچ۔ڈی، ص ۲۰۷۔
(۳۵) ابن قدامہ، ابوعبداللہ، شمس الدین، روضۃ الناظر وجنۃ المناظر، ج ۲، ص ۲۲۷۔
(۳۶) العثیمن، محمد بن صالح، شرح الاصول من علم الاصول، ص ۵۰۹۔ (۳۷) امینی، محمد تقی، اجتہاد، ص ۱۴۱۔
(۳۸) غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، محاضرات فقہ، ص ۹۶۔ (۳۹) ایضاً، ص ۵۹۔۶۹۔
(۴۰) العثیمن، محمد بن صالح، شرح الاصول من علم الاصول، ص ۵۱۲۔ (۴۱) التوبہ، آیت ۳۶۔
(۴۲) الحشر، آیت ۲۔ (۴۳) الجمعۃ، آیت ۲۔ (۴۴) النحل، آیت ۴۴۔ (۴۵) النساء، آیت ۸۳۔
(۴۶) الترمذی، محمد بن عیسیٰ، السنن لترمذی، ج ۳، ص ۶۱۶۔
(۴۷) الرازی، محمد بن عمر الحسین، المحصول فی علم الاصول، ج ۵، ص ۵۲۔
(۴۸) سلیمان بن اشعث، السنن ابوداؤد، ج ۱، ص ۱۹۔
(۴۹) البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح للبخاری، ج ۵، ص ۲۱۱۶۔
(۵۰) القشیری، مسلم بن حجاج بن مسلم، الجامع الصحیح للمسلم، ج ۴، ص ۱۶۴۔
(۵۱) احمد بن حنبل، المسند لامام احمد بن حنبل، ج ۱، ص ۲۸۶۔
(۵۲) عبدالباقی، محمد فواد، اللؤلؤ والمرجان، ج ۱، ص ۴۴۶۔
(۵۳) القشیری، مسلم بن حجاج بن مسلم، الجامع الصحیح للمسلم، ج ۵، ص ۱۳۳۔
(۵۴) البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح للبخاری، ج ۶، ص ۲۶۷۶۔
(۵۵) الہیثمی، نورالدین علی بن ابی بکر، مجمع الزوائد، ج ۴، ص ۳۶۲۔
(۵۶) الجوزیہ، ابن قیم محمد بن ابی بکر، اعلام الموقعین، ج ۱، ص ۶۳۔
(۵۷) ملاجیون، احمد بن سعید، نورالانوار، ص ۲۵۰۔ (۵۸) ندوی، عبدالسلام، تاریخ فقہ اسلامی، ص ۱۵۵۔
(۵۹) ایضاً، ص ۱۵۲۔ (۶۰) امینی، محمد تقی، اجتہاد، ص ۵۶۔

❁ ❁ ❁